

بڑو ایمر ڈاکٹر میدھہ اکرم

مولانا رومی اور اجتماعی ملت اسلامیہ

ساتویں صدی ہجری جس میں مولانا رومی نے ۵۶۰ھ سے ۵۶۴ھ تک زندگی بسر کی، ملت اسلامیہ کے فکری اور سیاسی المطاط اور سقوط کا بدترین زمانہ تھا۔ فکری المطاط فلسفہ اور تصوف کے بعض لایعنی نظریات اور منفی رجھات کی وجہ سے پیدا ہوا جن کی بنیادیں تقریباً تیسرا صدی ہجری سے رکھی جا چکی تھیں۔ اسلامی فتوحات کا دائرہ جب روم اور ایران کی سرحدوں سے آگے بڑھا تو مسیحی، زرتشتی اور ہندی ادیان کے آثار اور خصوصاً یونانی افکار مختلف طریق سے بعض مسلمانوں کے ذہنوں پر اثر الداز ہوتے اور حکم زمان کے ساتھ ساتھ اسلامی فکر کا جزو تصور ہونے لگے۔ ذات، صفات، کائنات، اتحاد، حلول، فنا، تقدیر، وحدت الوجود وغیرہ جیسے مباحث اور عقائد مختلف مآخذ کے ذریعے شائع ہوئے جن کی مبہم تعبیرات کے نتیجے میں بہت سے مسلمان اپنی انفرادی حیثیت سے گریزان ہوئے لگے۔ اپنی عقائد نے شیوه جبر و تسليم کو بھی لوگوں میں رواج دیا۔ توکل، صبر، رضا، فناعت اور انکساری کی توجیہات غیر قرآنی نقطہ نظر سے کی گئیں۔ چنانچہ فنا کو آئینہ بقا اور عدم کو اصل وجود گردانا کیا۔ یہ خودی خدا شناسی کا ذریعہ اور نیستی پستی کا سرچشمہ قرار ہائی۔

آپسند آپسند ان فکری رجھات اور سیاسی انتشارات نے مسلمانوں میں قوتِ عمل کو سلب اور ان کی انفرادی اور اجتماعی حیثیت کو ان کی نظروں میں مشکوک قرار دے دیا۔ اس طرح ملت اسلامی ایک پیکر بے روح کی طرح بن گئی۔ ساتویں صدی ہجری کے آغاز میں عالم ہر منگولوں کے خوفناک اور انتہائی وحشیانہ حملے

شروع ہوئے۔ یہ دور تاریخ اسلام کا سیاہ ترین دور تھا جس میں ہر طرف قتل و غارت، تباہی و بربادی، خوف و ہراس اور یاس و حزن کی فضا چھائی ہوئی تھی۔

منگولوں کے پے درپے حملوں نے نہایت بے دردی سے ہر خاص و عام کو تھیغ اور شہروں کو نذر آتش اور برباد کر دیا۔ صرف شہر مرو میں لاکھوں مرد، عورتیں، بھیجی اور بوڑھے قتل ہوئے۔ نیشاپور کا قتل عام زیادہ خوفناک تھا۔ ان کے لئے چنگیز کا حکم تھا کہ یہاں کتنوں اور بلیوں کو بھی زندہ نہ چھوڑا جائے اور شہر کو اس طرح مسیار کر دیا جائے کہ ان پر زراعت ہو سکے۔ خوارزم اور غزنی کو بھی اسی طرح ویران کر دیا گیا۔ ترکستان، ماوراء النهر اور خراسان کے تمام شہروں اور قصبیوں پر بے دریغ تلوار چلانی کی۔ یہ حملے اتنے خوفناک تھے کہ لوگ انہیں مشیت اللہی تصور کرتے ہوئے خود بخود تلواروں کے سامنے جھک جاتے اور زبوف و زاری کی وجہ سے اپنا دفاع تک نہ کرتے۔ تباہی و بربادی کا یہ خوفناک طوفان بڑھتا پلا گیا۔ یہاں تک کہ ۶۵۶ ہجری میں بلاد کو نے مسلمانوں کی طاقت اور تہذیب کے اہم ترین مرکز بغداد کو بھی نیست و نابود اور وہاں علوم و فنون کے تمام مکاتب و مدارس کو نذر آتش کر دیا۔

ان خون آشام اور وحشت انگیز حملوں کا بدترین پہلو مسلمانوں کا فکری المصططاط اور ذہنی انتشار تھا۔ لوگوں میں اس بے سر و سامانی اور یاس و ہریشانی کے بعد قومی شعور اور دینی حیثیت کا کوئی ولولہ جو بقائی ملی کے ائمہ ضروری ہوتا ہے باقی نہ رہا۔

مولانا جلال الدین اس دور میں ایشیائی کوچک کے شہر قونیہ میں مقیم تھے۔ یہ علاقہ منگولوں کے مسلمان حکمرانوں کے زیر نگیں تھا۔ مولانا کے ملفوظات بعنوان ”لیہ مافیہ“ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مسلمانوں کے امن دینی، اخلاقی، تمدنی اور سیاسی زوال سے سخت ہریشان تھے۔ مسلمانوں کی بستی اور زبوں حالی کو ایک شخص کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ:

”اس زمانے میں مسلمان منگولوں کے آگے سجدہ تعظیم جا لاتے ہیں اور
بھر بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔“^{۱۰}

حملہ منگول کے ساتھ ساتھ صلیبی جنگوں نے بھی عالم اسلام کو بہت عرصہ پہلے بھی مصائب و مشکلات سے دوچار کر رکھا تھا۔ چوتھی صلیبی جنگ ۶۰۲ ہجری میں شروع ہوئی تھی اور فرنگی قسطنطینیہ پر قابض ہو گئے تھے۔ بالآخر جنگ ۶۱۵ ہجری میں شروع ہوئی اور چھٹی جنگ ۶۲۸ ہجری میں مسلی ہے حاکم فریدرک نے شروع کی جسی کے نتیجے میں فلسطین کے یشتر علاقوں عیسائیوں کے قبضے میں جلے گئے۔ اس وقت عیسائیوں نے مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لئے طرح طرح کی سازشیں شروع کیں۔ انہوں نے منگولوں کے ساتھ رشتے ناطے شروع کئے۔ چنانچہ ہلاکو کی یوں عیسائی تھی اور وہ خود بدھ مت کا پیرو تھا۔ اس کا جانشین اپاقا بھی بدھ مت کا پیرو تھا اور ایک بادشاہ کی طرح سے عیسائیوں کی مدد کرتا تھا۔^{۱۱}

ابالاق کے دور میں عیسائیوں کو خاص تقویت حاصل ہوئی۔ اس کی بھی ایک بیوی مشرق روم کے بادشاہ (ملک استنبول) کی بیٹی تھی۔ مولانا نے ”فیہ مالیہ“ میں عیسائیوں اور منگولوں کی اس سازش کو ایک شخص اتابک کے حوالے سے اس طرح بیان کیا ہے :

”ایک دن روم کے کافر یعنی عیسائی کہہ رہے تھے کہ ہم بیٹی تاتاریوں کیوں دین سمجھ تاکہ ہمارا اور ان کا دین ایک ہو جائے اور یہ نیا مذہب جسے اسلام کہتے ہیں مٹ جائے۔“^{۱۲}

مولانا کے ایسے اشعار کفار کی انہی سازشوں کی طرف اشارات ہیں۔ فرماتے ہیں :

”دشمن جان ہائے ماست دوستی“ دوستان

”مادر فتنہ شد است حاملہ یا مسلمین“^{۱۳}

ایک دفعہ معین الدین ہروانہ کو جو منگولوں کی طرف سے قویہ کا جا کم اور مولانا کا ارادت مند تھا مولانا نے مسلمانوں کے اجتماعی معاملات اور مفادات سے

کوتاہی کرنے کے سبب متبہ کیا اور فرمایا :

”تو تاتاریوں میں گھل مل گیا ہے، تو انہیں مدد دے رہا ہے تاکہ
شامیوں اور مصریوں کو فنا کر دے اور مملکتِ اسلام کو تھس نہیں
کر دے۔“

سقوط بغداد کے بعد مسلمان مادی اور معنوی شکست اور المصطاط کی وجہ سے بالکل مض محل ہو چکے تھے۔ چنانہ اکثر و بیشتر ہے سر و سامان ہو کر اپنی نا امیدیوں اور نامراجیوں کو ساتھ لے کر خالقابوں اور بیخانوں کے گوشوں میں ہناہ گزین ہو گئے۔ عرصہ کوشش و کار میں کوئی انسان ڈھول دے سے بھی نہیں ملتا تھا۔ رومی اس قحط الرجال کے عالم پر متأسف اور اس زوال یا لہ ماحول سے سخت متنفر تھا۔ توکل اور تقدیر کا بہانہ بنا کر عمل سے جی چڑائے والے لوگ آئے کسی صورتہ بھی ہستد نہ تھے۔ وہ اپنے کامل وجود اور مست عناصر ہمارا ہیوں سے یہ عد بیزار تھا اور معاشرے میں علی مرتضیٰ شیر خدا جیسے قوی اور شجاع مجاہدوں اور رسم دستان جیسے بہادر شمشیر زنوں کو دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے جستور و غیور انسان کی تلاش میں تھا جو معنوی صلاحیتوں کا مظہر اور مادی قوتوں کا بیکر ہو۔ رومی اپنے آرزو کا اظہار گونا گون لطیف استعاروں سے کرتا ہوا کہتا ہے :

جایم ملول کشت ز فرعون و ظلم او

ان نور روی موسی عمرانم آرزوست

زین همراهان مست غناصر دلم گرفت
شیر خدا و رسم دستانم آرزوست

رومی جیسا کہ اپنے آئندہ کلام میں نظر آتا ہے اپنے مردہ و افسدہ ماحول کے خلاف ایک شدید رد عمل تھا۔ وہ جہاں تمام عالم انسان کو صلح و محبت کا پیغام دے رہا تھا وہاں مسلمانوں کو کفار کے خلاف جو ملت واحده کی صورت میں اسلام کے مثاثے کے درپے تھے جہاد پر اکسرا رہا تھا۔ تاتاریوں کی وحشی کری

کے خلاف اقدام کے لئے مسلمانوں کو ہمیک کرتا ہوا کہتا ہے کہ وہ ان کے خلاف لڑیں اور ہرگز مایوس نہ ہوں :

تخار اگرچہ، جہان را خراب کرد بینگ

خراب گنج تو دارد چرا شود دل تنگ^۸

رومی میں اگر اس مجاہدانہ روح اور مبارزانہ عمل کا سراغ لکایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی رکوں میں اس کے عظیم اجداد معنوی کا خون موجزن تھا۔ شیخ فہم الدین کبریٰ جیسی عظیم شخصیت سے ایسے خاص نسبت تھی۔ وہ رومی کے والد بزرگوار سلطان العلما شیخ بہاء الدین ولد کے بھی مرشد تھے اور شمس الدین تبریزی کے پیر بابا کمال جندی کے بھی مرشد تھے۔ شیخ فہم الدین کبریٰ ان بزرگوں کے علاوہ شیخ فرید الدین عطار نیشا ہوری، شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی جیسے بلند پایہ اولیاء کے بھی رہب و رہنا تھے۔

۱۸۵۵ء میں تاتاریوں کے حملہ جرجالیہ (خوارزم) کے دوران آپ نے بڑی دادِ شجاعت دی۔ آپ نے امن وقت اپنے اصحاب سے فرمایا:

”قُوَّمْتُوا عَلَىٰ اسْمَ اللَّهِ فَقَاتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ“ خرقہ بدن سے آثاراً اور شمشیر بکف ہو کر تاتاریوں پر جہٹئے اور ایک کافر کے ہاتھ سے چنگیزی لشکر کا ہر چم جھین لیا، پھر اسی دورانِ لڑائی میں شہید ہو گئے۔^۹

گویا آپ اس حدیث کی تفسیر تھی کہ ”لی خرقان، الفقر و الجہاد“۔ یعنی میرے دو خرقے یعنی ایک فقر اور ایک جہاد۔

رومی کے ذہن ہر فہم الدین کبریٰ کے اس بلند عزم و ہمت کا نقش نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً ان اشعار میں:

ما ازان محتشمائیم کہ سافر گیرند و نہ زان مفلسکان کہ بر لاغر گیرند

ما ازان سوختکائیم کہ از لذت موز آب حیوان بہلند و پی آذر گیرند

بیکی دست می خالص ایمان نوشند بیکی دست دگر پرچم کافر گیرند" یعنی ہم ان عظیم ہمت افراد سے تعلق رکھتے ہیں جو ایک ہاتھ سے جام شہادت نوش کرتے ہیں اور دوسرے سے کفار کے پرچم چھین لیتے ہیں ۔

دینی تعلیمات اور بزرگوں کے ان واقعات نے رومی کی روح کو جہاں جہاد سے سرشار کر رکھا تھا وہاں فتح و امید کی نوید بھی دے رکھی تھی ۔ ۵۶۵ میں جب مصر کے سپہ سالار بیبرس نے منگولوں کو شکست دی اور ان کی پیش قدمی رک گئی تو اس سے روم کے عیسائیوں کے عزادم بھی شکست پذیر ہوئے ۔ رومی نے اسے مسلمانوں کی کامیابی تصور کرتے ہوئے کہا ۔

زنار گستیم بر قیصر رومی تبریز بر قصد کہ در روم رسیدیم^{۱۲} رومی کے پاں اگرچہ اقدامی جہاد کے بھی اشارات ملتے ہیں مگر دفاعی جہاد کے لئے وہ مسلمانوں کو مسلسل تعلیم دیتا ہے اور کہتا ہے کہ جب دشمن تمہارے ساتھ لڑتا ہے تو تم بھی اس کے ساتھ لڑو ۔ کتنا جب تنگ کرے تو اسے پتھر مارنا ہی لڑتا ہے ۔

حریف جنگ گزیند ، توهم در آ در جنگ
چو سگ صداع دهد ، تن مزن بر آور سنگ^{۱۳}

حیات ملی کا تقاضا ہے کہ اسے قوت اور شوکت ہے سر کیا چائے ۔ غنیمہ کی طرح نرم و نازک اور دانے کی طرح کمزور اور حیر بن کر زندگی بسی رہیں گی جا سکتی ۔ زندگی اس دامکاہ حوادث میں اپنے دفاع کی محتاج ہے ۔

غنجمع بیاشی اکود کانتہ بر کیتندہ دانہ بیاشی مریکانہ بر اچنندہ
غلچہ بنهان کن گیاہ بام شو دانہ بنهان کن سراہا دام میلو

مسلمانوں کے اس سیاستی اور اخلاقی دورِ امپاط میں فلاسفہ اور متكلمین کی متفرگانہ بھیں بھی انہی انتہا کو پہنچ چکی تھیں ۔ ایک مرکزی مسئلہ یہ تھا کہ آیا

صفات الہی عین ذات بین یا غیر ذات ؟ اور کائنات کیا ہے ؟ اور اس کا صدور آیا قوت خداوندی سے بے اختیار واقع ہوا ہے ؟ اس دور کی ایک اہم شخصیت یعنی ابن العربي کے نزدیک صدور کائنات حق تعالیٰ سے بے اختیار ہوا ہے - اس کا کوئی آغاز اور انجام نہیں - یہ مسلک تمام فلسفہ اور بعض صوفیہ کا ہے - لیکن اس کے برعکس تمام متکلمین اور اکثر صوفیہ اس مسلک کے حامل بین کہ کائنات صفات الہی ہے جو بالاختیار اور بالارادہ الہی معرض وجود میں آئی ہے - اس کا آغاز ہے اور انجام ہے -

اپنہ دونوں کی رو سے یہ کائنات خدا سے اس طرح صادر ہوئی ہے جس طرح شعاعیں آفتاب سے صادر ہوئی ہیں - اور جس طرح آگ سے چنگاریاں نکاتی ہیں اسی طرح خدا سے ارواح کا صدور ہوتا ہے اور انجام کار یہ ارواح اسی کی طرف لوٹ جاتی ہیں - خدا کے سوا کوئی شے موجود نہیں - یہ کائنات اس کا خیال ہے -

فلسفہ منجمیلہ فلسطینیوس کا نظریہ یہ ہے کہ عقل کل یا علت اولیٰ کا ہیانہ چھلکا اور اس سے تمام کائنات وجود میں آئی - تخلیق کا یہ نظام بے ارادہ پہمیشہ جاری و ساری رہے گا -

اسلام میں فلسفہ بالخصوص معتزلہ کے تومظ سے پیدا ہوا - مسلمانوں پر فلسفہ کے اثرات کچھ خطرناک صورت اختیار کرنے لگے - ابوالحسن الاشعری چوتھی صدی ہجری کا معروف معتزلی ہے جو معتزلہ کے عقائد سے منحرف ہو کر امام شافعی کے عقائد میں داخل ہوا - اس نے اسلام پر فلسفہ کے اثرات کو زائل کرنے اور اسلامی علم کلام کو مدون کرنے کی باقاعدہ اور کامیاب کوشش کی جس سے معتزلہ فلاسفہ قدرے رکے - اس دور میں دوسری شخصیت جو آبھری وہ ابو منصور ماتریدی ہمدافی کی تھی - یہ اسلامی نقطہ نظر میں زیادہ کثڑ تھا اور فلسفہ کے اساسی عقائد جو ابوالحسن الاشعری کی کوشش سے باطل نہیں ہوئے تھے ، اس نے فلسفیانہ بنیادوں پر ان کی باقاعدہ تردید کی -

تیسرا عظیم شخصیت جس نے قواعدِ دین سے یونانی فلسفے کو بالکل نکال باہر کیا اور علمِ عقائد، علمِ عبادات اور علمِ قربِ الہی قرآن و سنت سے باقاعدہ استنباط کر کے تفصیلی طور پر علم کلام مرتب کیا، وہ امام محدث غزالی (م ۵۰۵) تھا۔ اس نے منہب کی جڑیں خاص و عام کے دل میں راسخ کر دیں اور یونانی فلسفے کی عارت کو اسلامی فکر کامل کے سامنے یکسر منہدم کر دیا۔ غزالی کے عقیدے کے مطابق انسان اور کائنات خدا کی صفت بالاختیار ہے جس کے پیچھے ایک عظیم مقصد کارفرما ہے۔ اس تخلیق کا ایک آغاز ہے اور ایک انجام۔ غزالی نے جہاں خدا کے بارے میں وہ روشن اور واضح شعور پیش کیا جو اسلام میں تصورِ توحید کے نام سے پہچانا جاتا ہے وہاں انسان کے بارے میں خلافتِ الہیہ کا صحیح فکر دے کر انسانی عظمت کو پوری طرح اجاگر کیا۔ کائنات کے بارے میں غزالی کا خیال یہ ہے کہ یہ انسان کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے تاکہ انسان خدا کے مقاصد کو یہاں پورا کرے۔ امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر اگرچہ علم کلام کا ایک عظیم کارنامہ تھا لیکن فخر الدین رازی بیشتر فاسدہ کی زد میں آگیا اور اسلام کے لئے اس سے خاطر خواه نتیجہ نہ نکلا۔ چنانچہ رومی نے کہا:

گر بہ استدلال کار دین بدی فخر رازی رازدار دین بدی
پای استدلالیان چوبین بود پای چوبین سخت بی تمکین بود^{۱۶}

رومی کے کلام کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلامی منکرین میں سے کسی بھی دوسرے منکر کی نسبت امام غزالی سے زیادہ قریب ہے۔ ابن العربي اور رومی میں بعض جهات سے کچھ مماثل خطوط مل سکتے ہیں لیکن بنیادی نظریہ وحدت الوجود میں دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ابن العربي وحدت الوجود کا انتہک مفسر ہے جبکہ رومی انسان کی شخصی بقا اور اس کے ارتقا کا بلند پایہ مبلغ ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا وہ مسلمانوں کے زوال پذیر ماحول میں احیائے اسلامی کی کوشش میں معروف تھا اور اسلامی تشخض کی برقراری پر زیادہ سے زیادہ زور دے رہا تھا۔ وحدت الوجود کا مسئلہ بالکل برعکس نتائج کا

حامل تھا - یہ گویا صلح کل کا راستہ تھا جسے ابن العربی نے اختیار کیا - اس کی رو سے اسلام و کفر اور خیر و شر میں کوئی خاص فرق نہیں رہتا - مسلمان ، عیسائی ، یہودی ، مجوہی اور کافر سب ایک ہی لڑی کے موقع بن جاتے ہیں -

وحدت الوجود کا نظریہ یہ ہے کہ خدا کے سوا اور کسی چیز کا وجود نہیں ، جو کچھ ہے وہ خدا ہی کی ذات کا مظہر ہے - ہستی ایک ہی ہے اور وہ تمام مختلف ہستیوں میں موجود اور کائنات کی ہر چیز میں جاری و ساری ہے - وہ ہستی خدا ہے - اس نظریے کے نتیجے میں بعض متصوفین نے کلمہ "توحید لا اله الا الله" کو کلمہ "وحدت یعنی لا موجود الا الله" سے تعبیر کرنا شروع کیا - کلمہ "توحید" یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبد نہیں جبکہ وحدت الوجودیوں نے کہا کہ خدا کے سوا کوئی موجود ہی نہیں - اس طرح انفرادی خودی ، ملی تشخص اور حتیٰ کہ کائنات کی نفی کر دی - ان کے نزدیک جو کچھ نظر آتا ہے وہ نمود ہے بود ہے - مختلف اشیا کا وجود محض اضافی اور نظری ہے - یہ سمندر میں موجود کے وجود کی طرح ہے جو بظاہر ہے لیکن فی الواقع نہیں ہے کیوں کہ درحقیقت موج ہانی ہی ہے یا کسی دھاگے میں مختلف گروہوں کا وجود - یہ بھی محض فریب نظر ہے کیوں کہ اگر گروہوں کو کھول دیا جائے تو وہ محض دھاگہ ہی ہے - اس طرح تمام اشیاء کی ہستی محض اضافی اور فریب نظر ہے اور عالم تمام حلقة دام خیال ہے -

وحدت الوجود کے ان نظریات کو رومی نہ صرف قبول نہیں کرتا بلکہ ان کی تردید ہر کمربستہ ہے - کیوں کہ وہ انسانی خودی کی بقا اور ارتقا کو ہر دوسری بات سے ضروری گرداتا ہے - وہ انسانی ذات کی نامحدود وسعتوں اور اس کی بے پایان صلاحیتوں کو اس شدت اور اس اعتبار سے بیان کرتا ہے کہ گویا یہ ایک فریضہ ہے جو اسے سونپا گیا ہے - رومی نفی ذات کے ان تمام نظریات کی تردید اور تنقیح ہر ٹلا ہوا نظر آتا ہے جن کے نتیجے میں ملت اسلامیہ فکری انتشار کا شکار ہو کر اپنا ہر شکوہ تشخص اور وقار کھو یٹھی - اس کی انتہائی کوشش یہ ہے کہ وہ انسان کو خدا کے قریب تر کرے اور انسان کو خدا کا عاشق قرار دے تا کہ وہ

خدا کو اپنے اندر جذب کر سکے ۔ اس کے نزدیک معشوق عاشق کا شکار ہوتا ہے ۔
چنانچہ، کہتا ہے :

”جملہ معشوقان شکار عاشقان“

وہ ابن العربي اور دیگر صوفیہ کی طرح انسان کو خدا میں گم نہیں کرتا بلکہ وہ خدا
کو انسان میں گم کرتا ہے یہی اس کا تصور عشق ہے ۔ چنانچہ کہتا ہے :

علم حق در علم صوف گم شود
ابن سخن کی باور مردم شود

ان مطالب کی روشنی میں رومی کو ابن العربي کی طرح وحدت الوجودی تصور
کرنا نا انصاف ہے ۔ رومی اسلامی فکر کی تاریخ میں حرکت، ارتقا اور روشنی کا
سب سے بڑا مبلغ ہے ۔ اسی وجہ سے عصو حاضر میں حکیم الامت علامہ اقبال نے
احیائے مل کے لئے سب سے زیادہ رومی کی طرف توجہ دی اور اس کے مکتب فکر
و نظر سے بھرپور استفادہ کیا ۔ اسے شریک مستی خاصان بدر کہتے ہوئے اپنا پیر
و مرشد قرار دیا اور کہا

تو بھی ہے اسی قافلہ شوق میں اقبال
جس قافلہ شوق کا سالار ہے رومی

اقبال جو کہ وحدت الوجود کے اثرات کو تباہی بغداد سے زیادہ خطرناک
سمجھتا تھا کیسے نمکن تھا کہ ایک وحدت الوجودی کے آستانے پر سر رکھ دیتا ۔
وہ اپنے ایک خط میں خواجہ حسن نظامی کو کہتے ہیں ۔

”میں نے مولانا جلال الدین رومی رحمة الله عليه کی مشتوی کو پیداری
میں پڑھا ہے اور بار بار پڑھا ہے ۔ آپ نے شاید اسے سکر کی حالت میں
پڑھا ہے کہ آپ کو اس میں وحدت الوجود نظر آتا ہے ۔“^{۱۸}

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ”تخلقوا باخلق اللہ“ کے

مطابق رومی کا عقیدہ ہے کہ انسان اپنی خودی یا فردیت کو فنا کئے بغیر صفاتِ خداوندی کو اپنی ذات میں جذب کر سکتا ہے۔ اکثر صوفیہ کی تعلیم یہ ہے کہ جس طرح قطرہ دریا میں فنا ہو کر دریا بن جاتا ہے اسی طرح انسان کو بھی چاہیے کہ وہ خدا میں فنا ہو جائے کیونکہ فنا ہی آئینہ بقا ہے۔ رومی اس کے برعکس یہ تعلیم دیتا ہے کہ جس طرح لوہا جو سیاہ اور مرد ہے آگ میں جا کر روشن اور گرم ہو جاتا ہے اور مکمل طور پر آگ کا ہم رنگ اور ہم صفت بن جاتا ہے لیکن اپنے وجود کو برقرار رکھتا ہے اسی طرح انسان کو چاہیے کہ وہ اوصافِ الہی سے متصف ہو مگر اپنی فردیت کو ضائع نہ کرے۔

رنگ آهن محو رنگ آتش است

ز آتشی می لافد و آهن وش است^{۱۶}

رومی اس مقام کی توضیح میں ایک اور روشن مثال پیش کرتا ہوا کہتا ہے کہ شمع کی لو سورج کی روشنی کے سامنے بظاہر نہیں ہے لیکن ف الواقع وہ ہے کیونکہ جب تم اس پر روشنی رکھو گے تو وہ جل جائے گی۔

چوں زبانہ شمع پیش آفتاب نیست باشد، هست باشد در حساب

هست باشد ذات او تا تو اگر بر نہی بسو زد آن شر^{۱۷}

شبیل نعماں لکھتے ہیں کہ ”بقا میں مالک کی حالت جلال اور عقلت سے بعیز ہوئی ہے۔ مولانا پر یہ حالت زیادہ غالب رہتی تھی۔ امن لئے ان کے کلام میں جو جلال، ادعا، بے باکی اور بلند آہنگی ہانی جاتی ہے وہ صوفیہ میں سے کسی کے کلام میں نہیں ہائی جاتی۔ مرتضیٰ غالب مولانا کے ایک شعر ہر جو بقا کی حالت ہے سر دھنا کرتے تھے۔ وہ شعر یہ ہے

بزیر کنگرہ کبریاش مردانند

فرشتہ، صید و پیغمبر شکار و یزدان گیر^{۱۸}

یعنی خدا کی کبریائی کے محل تلے کچھ جوان ہمت افراد کھڑے ہیں جو فرشتوں کے

صیاد ہیں - پینگبروں کو گرفت میں لاتے ہیں اور خدا ہر کمndیں ڈالتے ہیں - رومی کا بیشتر کلام خود آگاہی کے مضامین کا ایک سمندر ہے ، خصوصاً دیوان شمس تبریزی جہاں روہی کی متلاطم اور متواج طبیعت ایک طوفان برپا کئے ہوئے ہے - مثلاً یہ ایک شعر ۔

خود ز فلک بر تریم و ز ملک افزوں تریم
زین دو چرا نگذیرم ، منزل ما کبریا ماست^{۲۲}

علامہ اقبال نے اس شعر سے جو تاثر لیا اور جس طرح خراج تحسین ادا کیا وہ بھی قابلِ ملاحظہ ہے ۔

شعلہ در گیر زد در خس و خاشاک من
مرشد رومی کہ گفت . منزل ما کبر یاست

رومی کوشش ، جد و جهد اور سوز و ماز کا شاعر ہے ۔ اس نے اپنی خالص قرآنی بصیرت کی بناء پر وحدت الوجود اور دیگر مبہم اور غلط نظریات اور ان کے نتائج کو درک کیا اور مسلمانوں کے احیا اور بقا کے لیے ان کے الفرادی اور اجتماعی شخص کو ضروری قرار دیا ۔ اس نے ہر اس میاسی اور فکری تحریک کی سختی سے مخالفت کی جو مسلمانوں کے وجود کو نایبود یا ضعیف کر سکتی تھی ۔ اس نے خالصہ "قرآنی نظریہ" حیات کو پیش کیا جس کی بیان عمل ہے اور جس نے انسان کی لوح تقدیر ہر "لیس للانسان الا ما معنی" کی روشن آیت مرقوم کی ۔

رومی سعی و عمل کی شدت سے تعلیم دیتا ہے حتیٰ کہ کوشش و کار کی ہر صورت کو خواہ وہ بیہودہ ہی کیوں نہ ہو بے عمل ہے بہتر شمجھتا ہے ۔

دُوست دارِ دُوست اُمِن آشتفتگی
کوشش بیہودہ ہے از خفتگی^{۲۳}

وہ عقیدہ جبکہ سختی سے مخالف ہے جو وحدت الوجود کا لازم ہے ۔ اس نے

بیکاری بے عملی اور مستقی کی اپنے کلام میں جا بجا مذمت کی ہے اور توکل یا جبر یا
 وسلم کا بھانہ بنا کر عملی زندگی سے گریز کرنے والوں پر سخت اعتراض کیا ہے اور
 ان کے بھانوں کو باطل قوار دے کر کھا ہے ۔

پای داری چون کتنی خود را تو لنگ دست داری چون کتنی پنهان تو چنگ
 خواجه چون بیلی بددست بندہ داد بی زبان معلوم شد او را مراد
 یعنی تمہارے ہاؤں مالم ہیں اپنے آپ کو لنگڑا کیوں بنا ہو رہے ، تمہارے ہاتھ ہیں
 انہیں کیوں چھا رہے ہو ؟ جب کوئی مالک اپنے نوکر کو بیلچہ دیتا ہے تو بغیر
 کہی ہی اس کا مطلب واضح ہوتا ہے یعنی یہ دو بازو کیا ہیں اور کس لئے ہیں ؟
 رومی اپنے مریدوں سے کہا کرتا تھا ”کسی کہ کاری تورزد پولی نیرزد“
 بروید و کار کنید - اس کے نزدیک سعی و عمل سے انسان لامتناہی توتوں اور
 عظمتوں کا حامل بن سکتا ہے اور خدا کے ترازو میں ہورا آنر سکتا ہے ۔

ذرہ ای گر جہد تو افزوں شود در ترازوی خدا موزوں شود

رومی جو کہ قائل تھا کہ ”کار مردان روشنی و گرمی است“ - گوشہ گیری
 اور خلوت نشینی کی کسی صورت کو پسند نہیں کرتا تھا - ایک دفعہ جب خود
 مولانا کے بیٹے سلطان ولد نے بیس سال کی عمر میں مولانا سے خلوت نشینی کی اجازت
 چاہی تو اسے اس ارادے سے منع فرمایا اور اس کو مسلمانوں میں بدعت قرار
 دیتے ہوئے کھا ۔

”ہمیان را خلوت و چھا، نیست و در دین ما بدعت است اما در شریعت
 موسیٰ و عیسیٰ علیهم السلام بوده است“ - ^{۲۰، ۲۱}

رومی کو دنیا میں مسلمانوں کی عظمت اور شوکت مطلوب تھی اور وہ جانتا
 تھا کہ اسلام کا یہی مزاج ہے - گوشہ گیری نفی خودی اور سربریزی اسلام میں
 رہبائیت کے نتیجے ہیں - اسلام جہاد اور شکوه و جلال کا متضادی ہے تاکہ ایک اعلیٰ
 اور آفاقی معاشرہ تشکیل دیا جا سکے - فرماتا ہے :

مصلحت در دین ما جنگ و شکوه مصلحت در دین عیسیٰ خار و کوه^{۱۰} رومی مشنوی میں یغمیر علیہ السلام کو "نبی السیف" کا نام دیتا ہے اور آپ کے آمیزوں کو صدر یعنی سعفیوں کو جو بینے والے کے لقب سے یاد کرتا ہے۔ چونکہ بعض مسلمانوں میں مسرور زمان کے ساتھ ساتھ مسیحی روحانیت بھی پیدا ہو چکے تھے اور انہوں نے خانقاہی نظام اختیار کر لیا تھا اور یہ مکافیت سیاسی الخطاطگی وجہ سے اس کے دور میں اپنی انتہا کو پہنچ کر تھی تھی لہذا ان کے خلاف زبردست آواز آنہائی اور کہا۔

از ترہب نہی کردست آن رسول^{۱۱} بدنعی چون در گرفتی ای فضول؟

در میان است مر جوم باش منت احمد میل، محکوم باش
چون نبی سیف یوہ است آن رسول امت او صفویاند و فحول^{۱۲}

مولانا کے نو دیکھ زندگی کے معنے کے خواہ جستا ہوئی خواہ روحانی صرف اور صرف ہوت ہے جو ہو سکتے ہیں اور مکہست عالمیں اکٹھا کلیخانہ کلیخانہ تعلیم خداوندوں کے، بس کا روک نہیں۔ اسی کے لئے اکٹھا کلیخانہ میں ہے اسی کے لئے اسی کے لئے جو شیخ ماں سب سے رہتا ہے ایں جہاد اکثر است آن اصغر است هر دو کار رسم است و حیدر است^{۱۳} ایں جہاد کے لئے ہوئے کچھ ذریعہ اور خانقاہ نہیں بلکہ جعلی ہی تیپھی یا ور رسم جیسے دلیر اور بہادر انسالوں کی ضرورت ہے۔ رومی نے مشنوی میں ایک صوفی کا مذاق آڑایا ہے جسے چہاد کا شوق ہو گیا تھا مگر وہ ایک اسیر کو بھی قتل کرنے کی تاب نہ لاسکا۔ جنگیم ایک مجاذیین کی زبان سے کہا کہ کسی خانقاہ کے مطین میں کام کر، جنگ تعریے بس کی بات نہیں۔

کلہ مر نازک دمی نبود قتال

کہ گریزند ان خیالی چون خیال^{۱۴}

جنگ میں اگر مجاذیین کیوں کھٹکی شکست ہو قریبی تو رومی کے نو دیکھ اس کے

وجہ بھی چند سست اور محنت پوتے ہیں ۔

هر کجا لشکر شکستہ می رود
از دو سہ سست تو محنت می شود ۲۹

جہاد پر رومی نے مٹنی میں بھرپور لکھا ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں اُس
کے نزدیک وسائل جنگ بھی ضروری یہیں لیکن ان سے بڑھ کر عزم و پست اور
قوت و شجاعت کی ضرورت ہے ۔ چنانچہ کہتا ہے صرف ذوالفقار سے بات نہیں بنتی گی
شیرِ خدا کا بازو درکار ہے ۔

چون کہ مردی نیست خنجرها چہ سود
چون نباشد دل ندارد سوڈ خود
از علی میراث داری ذوالقمار
بازوی شیر خدا ہست پیار ۳۰

مولانا کی شخصیت کا عرفان اگرچہ مشکل اور بہت مشکل ہے لیکن جو بھی
تھوڑی بہت کوشش کی جائے اس میں ضروری ہے کہ مولانا کی دلیر اور میارز روح
کو بیشہ ملحوظ رکھا جائے اور اسی نقطہ نظر سے اس کے کلام کا مطالعہ کیا
جائے ۔ وہ بہت ہی غیر معمولی قوتوں کا حامل تھا ۔ اس کی خودی کا یہ عالم تھا
کہ بدترین حالات میں بھی اُن کے ہاتھ آہنیں میں کبھی لفڑش نہیں آئی ۔ جیسا کہ
کہتا ہے ۔

چه دافی تو کہ در باطن چہ شابی ہمنشین دارم
رخ زریں من منکر کہ ہای آہنیں دارم ۳۱

اس کے مکتب میں ہانے آہنیں کے ساتھ دست آہنیں کا تصور بھی قابل ملاحظہ

خدایا مطریبان را انگلیں ده

برای فرب دست آہنیں ده ۳۲

جو شخص بزم میں مطرب کے لئے دست آہنیں کا طالب ہے وہ رزم میں مجاہد کے لئے کس قوت اور کس پختگی کا خواہاں ہو گا۔ رومی بیچش غلبہ و تسخیر اور استیلا و چیزوں دستی کی تعلیم دیتا ہے۔ عرصہ حیات میں اپنی شیزِ الہ منفات کااظہار کرتا ہوا کہتا ہے۔

دیدہ سیر است مرا جان دلیر است مرا
زہرہ شیر است مرا زهرہ تابندہ شدم

اقبال اپنے کلام میں جگہ رومی کے اسی ہر جلال اور تابناک چہرے کے کو بیش کرتا ہے اور اس کا تعارف ہے ایک عظیم مبارز اور فعال انسان کی حیثیت سے کرتا ہوا کہتا ہے کہ رومی ایسا فہرزال جرم ہے جس کے تیمور شیروں جیسے ہیں غزال در بیان حرم بن کہ ریزد خنده شیر از لب لو

رومی الفرادی اور اجتہادی خودتی کا انہیک مفسر، شیوعت کا زبردست مبلغ ، طریقت کا عظیم شارح اور حقیقت کلیزر گد، عارف ہے۔ اس کا ہظیم کرnamہ یہ ہے کہ اس نے غیر اسلامی تصوف اور بے معنی مسائل کو دینی تعلمات سے خارج کرنے کی کامیاب کوشش کی اور اسلامی معارف کو اپنے بھرپون اسلوب بیان سے لوگوں کے ذہن لھین کیا۔ شریعت اور طریقت کے بغیر حقیقی فاسدلوں کو یکسر ختم کیا۔ اس نے ایک طرف اہل شریعت کے لئے احکام اللہ کی تصدیق بواسطہ قلب ضروری قرار دی اور دوسری طرف اہل طریقت ہر روشن کیا کہ تصوف شریعت ہی کا نام ہے۔ سالک خواہ کلسی بھی مقام ہر یہ کسی بھی حال میں ہو نہیں کے لئے لعکلم لشروعی ہر مُمْوَ بھی ساقط نہیں ہو سکتے۔

مکسل از ختم الرسل ایام خوبیں

لکیہ کم کن بر فن و بر کام خوبیں

اسی بنا پر مشتوی معنوی کو فارسی زبان میں قرآن یہ تعبیر کیا گیا ہے۔

مشتوی معنوی مولوی هست قرآن در زبان پہلوی

من پھر سکونم تو صفت آن عالی جناب ہے۔ یہ سٹ شیخ جو زلی، داروں کتابیہ
کا بنتا ہے اور اپنے بھروسے کا بھروسہ ہے۔ قلم و کاغذ کا ملکہ ہے۔
ادب پر مدشیح اقوام کی تعمیر و تخریج بنی نہایت مؤثر کردار ادا کرتا ہے۔
مسلمانوں کے زوال کا ایک سبب یہ بھی بنا کہ ان کی توجہ عموماً ادب کے نزدی
اور لطیف مضامین پر مکوز رہی اور جہاں بھی سخت کوشی اور مبارزہ طلبی کا
سبق دیا گیا انہوں نے عموماً اسے نظر انداز کیا یا اس سے کوئی معنوی مفہوم پیدا
کرنے کی کوشش کی۔ ساتویں صدی ہجری میں احیائی اسلامی کی مؤثر اور زبردست
تحریک بلا مبالغہ بیش رومنی کی مبنوی میں ملتی ہے لیکن بلا مناسبت اسی مبنوی
کی عموماً تفسیریں اور شرحیں تھوڑے کے (والیت الدار) میں کی گئیں اور ایسے بعض
افراد کی روحانی تربیت کے لئے پڑھا گیا۔ خلاصہ اقبال سے احمد و بعدہ رومی کے
متعلق کلمات میں ایسا ہے:

لَهُ رَاكِشا لَيْبَقْلِي بِعِلْجِ كُسْ نَشَانَخْتَ، اَوْ دَرَهَالِمْ غَرِيبَ أَمَدَ وَغَرِيبَ رَلَتَ
یعنی اس کی شرحی تو لوگوں نے کبی لیکن اسے کوئی نہ پہچان سکا اور اس کے معانی
ہماری گرفت میں نہ آسکے۔ فخر الدین عراقی نے بھی چو مولانا کا معاصر صوف شاعر
تھا اور ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا ایسے ہی خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا
کہ:

”لَهُ رَاكِشا لَيْبَقْلِي بِعِلْجِ كُسْ نَشَانَخْتَ، اوْ دَرَهَالِمْ غَرِيبَ أَمَدَ وَغَرِيبَ رَلَتَ“

یعنی اس کا حقہ کسی نے نہ پہچانا وہ دنیا ہی اجنبی آیا اور اجنبی ہی چلا گیا۔
رومی نے خود بھی اپنے متعلق یہن کہا تھا۔

ہر کس از ظن خود شدیارِ من

وز درونِ من نجست اسرائیلِ من۲۸

— پھر شاعر ایسا کہا ہے کہ میرے بھروسے کا بھروسہ ہے۔

حواله جات

- ۱ ملفوظات رومی ، ص ۱۲۹ -
- ۲ تاریخ ادبیات در ایران ، دکتر صفا ، جلد سوم ، تهران ، ص ۱۴۰ -
- ۳ ایضاً ، ص ۱۱۵ -
- ۴ فیه ماقیه ، ص ۲۸ -
- ۵ دیوان شمس تبریزی ، جزو چهارم ، تهران ۱۳۲۹ ، ص ۲۲۰ -
- ۶ فیه ماقیه به تصحیح فروزانفر ، تهران ۱۳۵۸ ، ص ۵ -
- ۷ کلیات شمس ، جزو اول ، تهران ، ص ۲۵۵ -
- ۸ کلیات شمس ، جزو سوم ، تهران ۱۳۲۸ شمسی ، ص ۱۵۲ -
- ۹ نجم الدین کبریل ، منوچهر حسنه ، تهران ۱۳۸۶ ، ص ۷۶ -
- ۱۰ ایضاً ، ص ۲۲-۲۱ -
- ۱۱ کلیات شمس ، جزو دوم ، تهران ۱۳۲۷ شمسی ، ص ۱۲۹ -
- ۱۲ کلیات شمس ، جزو سوم ، تهران ۱۳۲۸ شمسی ، ص ۲۲۸ -
- ۱۳ ایضاً ، ص ۱۲۳ -
- ۱۴ تاریخ تصوف ، یوسف سلیمان چشتی ، لاہور ، ص ۲۳ -
- ۱۵ ایضاً ، ص ۲۶ -
- ۱۶ مشنونی چاپ علمی ، تهران ۱۳۲۰ جلد اول ، ص ۵۶ -
- ۱۷ ایضاً -
- ۱۸ مقالات البال ، سید عبدالواحد معینی ، لاہور ۱۹۶۷ ، ص ۱۸۰ -
- ۱۹ مشنونی معنوی چاپ علمی تهران ۱۳۲۰ جلد سوم ، ص ۲۹۰ -
- ۲۰ ایضاً ، ص ۲۹۰ -
- ۲۱ شبیل لعلی ، سوانح مولانا روم ، لاہور ، ص ۲۱ -
- ۲۲ کلیات شمس ، جزو اول ، تهران ۱۳۲۲ شمسی ، ص ۲۵۰ -
- ۲۳ مشنونی معنوی ، چاپ علمی تهران ۱۳۲۰ ، جلد اول ، ص ۳۸ -
- ۲۴ زندگانی مولانا جلال الدین ، ص ۱۲۵ -
- ۲۵ مشنونی ، چاپ علمی ، تهران ۱۳۲۰ ، جلد ششم ، ص ۵۶۲ -
- ۲۶ ایضاً ، ص ۵۶۲ -
- ۲۷ ایضاً ، جلد پنجم ، ص ۵۶ -

- ۲۸ شنودی معنوی ، چاپ علمی ۱۳۲۰ تهران ، جلد پنجم ، ص ۵۳۵ -
- ۲۹ ایضاً ، جلد دوم ، ص ۱۶۸ -
- ۳۰ ایضاً ، جلد پنجم ، ص ۳۹۹ -
- ۳۱ کلیات شمس ، جزو سوم ، تهران ۱۳۲۸ شمسی ، ص ۱۹۸ -
- ۳۲ ایضاً ، جزو پنجم ، تهران ۱۳۲۹ شمسی ، ص ۱۳۵ -
- ۳۳ ایضاً ، جزو سوم ، تهران ۱۳۲۸ شمسی ، ص ۱۸۰ -
- ۳۴ امغافن حجاز -
- ۳۵ شنودی چاپ علمی ، تهران ۱۳۲۰ ، جلد چهارم ، ص ۳۴۸ -
- ۳۶ جاوید نامه ، ص ۲۲۵ -
- ۳۷ زندگانی مولانا جلال الدین ، ص ۱۲۵ -
- ۳۸ شنودی ، ص ۱ -

